

شرعی اور مشینی ذبیحہ (ایک تحقیقی و تقابلی جائزہ)

محمد کلیل اوج*

آج کل یورپ اور امریکہ میں بحث چل رہی ہے کہ جانوروں کو حلال کرنے کیلئے مسلمانوں کے طریقے کے مطابق انہیں روایتی انداز میں ذبح کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ پھر وہیں یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ ذبیحہ اور حلال میں کیا فرق ہے؟ زیرِ نظر مضمون میں ہم اسی حوالے سے کچھ معروضات پیش کرنا چاہیں گے۔

اس بحث میں سب سے پہلے لفظ ذبیحہ کی حقیقت کو جاننا ضروری ہے۔ ذبیحہ، ذبح سے بنا ہے۔ امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) کے بقول: اصل الذبیح شق حلق الحيوانات (۱) ذبح کی اصل یہ ہے کہ حیوانات کے حلقوم میں شکاف ڈالا جائے اور یہی اس لفظ کا بنیادی معنی ہے۔ چنانچہ جانور کو حلال کرنے کیلئے حلق کاٹنے کا عمل بہت پرانا ہے۔ جو فطری بھی ہے اور شرعی بھی۔

قرآن نے سورۃ المائدہ کے ایک مقام پر ذبح کا مترادف بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں کہنا چاہیے کہ ذبح کا حاصل یا مقصد، ذکاۃ کو قرار دیا ہے (المائدہ/۳) چنانچہ جب ہم معنوی طور پر ذکاۃ کا لفظ دیکھتے ہیں تو ذبح کے ظاہری معنی کے ساتھ یہ مفہوم بھی صاف دکھائی دیتا ہے کہ جانور کو اس طرح ذبح کیا جائے کہ اس کے جسم سے حرارتِ غریزی نکل جائے یعنی خون مکمل طور پر اس کے بدن سے خارج ہو جائے۔ اس مفہوم کو قرآن مجید نے بایں الفاظ ادا کیا ہے۔ الا ما ذکبتم (المائدہ/۳) (۲) بجز اس کے جسے تم ذبح کر کے اس کی حرارتِ غریزی کو نکال دو۔ گویا تذکیہ کا معنی حرارتِ غریزی کا اخراج ہے۔ یوں یہ لفظ شریعت میں ذبح کے معروف و متداول طریقے پر منطوق ہوا ہے۔ جیسا کہ امام راغبؒ نے لکھا ہے:

وحقیقة التذکیہ اخراج الحرارة الغریزۃ لکن خص فی الشرع بإبطال الحیاة علی وجه

دون وجه۔ (۳)

یعنی تذکیہ کی حقیقت، حرارتِ غریزی کا اخراج ہے، لیکن شریعت میں ایک نپے تلے انداز سے جانور کی زندگی ختم کرنے کو تذکیہ کہتے ہیں۔ گویا ذبح اور تذکیہ دراصل ایک ہی حقیقت کے دو روپ ہیں۔ ذبح میں ظاہر کا لحاظ ہے اور تذکیہ میں باطن کا۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر کسی ذبیحہ میں بوقتِ ذبح حرارتِ غریزی کا اخراج نہ ہو سکے تو اسے حلال نہیں سمجھا جائے گا۔

تذکیہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ جانور میں تڑپے اور پھڑکنے کا عمل شدت سے پایا جائے تاکہ تذکیہ کامل ہو سکے کم تڑپے اور پھڑکنے سے یقیناً تذکیہ بھی ناقص ہوگا اور ایسا ذبیحہ کم از کم (عقلی طور پر) غیر طیب (یعنی مضر صحت) ہونے کے سبب لائقِ طعام نہیں رہے گا۔ کیونکہ کسی شے کا قابلِ طعام ہونا، حلال ہونے کے ساتھ ساتھ طیب (یعنی مفید صحت) ہونے کا بھی تقاضا کرتا ہے۔

قرآن مجید نے آخر میتہ یعنی مردار جانور کا گوشت ہمارے لیے کیوں حرام کیا ہے؟ صرف اسی لیے کہ اس میں سے حرارتِ غریزی کا اخراج نہیں ہو پاتا اور مرے ہوئے جانور کا گوشت، خون آلود ہونے کے سبب غیر طیب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خون میں مختلف اقسام کے جراثیم ہوتے ہیں اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ مرے ہوئے جانور کے گوشت میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، جو بسا اوقات اپنے زہریلے پن سے کسی کی موت یا پھر کسی بیماری کا سبب بن جاتی ہے۔ اسی وجہ سے دنیا میں کوئی بھی مہذب انسان طبعی موت مرا ہوا جانور کھانا پسند نہیں کرتا۔ قرآن نے درندے کے شکار کئے ہوئے جانور کے باب میں الاماذا کیسم کی قید بلا وجہ نہیں لگائی ہے اور یہاں الا، بطور استثنائے منقطع واقع ہوا ہے یعنی جس جانور کا تذکیہ ہو گیا ہو، اسے ہی کھایا جاسکتا ہے۔ اسی لئے یہاں ذبح کی بجائے ذکیم کا لفظ لایا گیا ہے جو ذبح کی حقیقت اور اصلیت کو نمایاں کر رہا ہے۔ اس جگہ یہ لفظ لانا نہایت موزوں اور بر محل ہے تاکہ کسی ظاہر بین کی نگاہ فقط ذبح تک ہی محدود نہ رہ جائے۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر ذبح بمنزلہ مطلوب کے ہے تو ذکاۃ بمنزلہ مقصود کے، یعنی شرع کو ذکاۃ کا لحاظ تھا، اس لیے ذبح کا حکم دیا گیا۔ ذبح میں چونکہ گردن کی کم از کم تین رگوں کو کاٹنا ضروری ہوتا ہے۔ جس کی حکمت و غرض حصولِ ذکاۃ کے سوا کچھ اور نہیں۔ کیونکہ ان کے کٹنے سے ہی جانور کا صحیح اور کامل تذکیہ ہو پاتا ہے۔ مطلب یہ کہ خون کا مکمل اخراج، بشکل جریان شکافِ حلق سے ہی ممکن ہوتا ہے برخلاف کسی اور عضوِ بدن کے۔ اس لئے کتب فقہ میں ذبح کی تعریف میں لکھا گیا ہے:

۱۔ والذبح بین الحلق واللبة والمذبح المرى والحلقوم والودجان وقطع الثالث

کافی۔ (۴)

اور ذبیح کا مقام گلے اور سینے کے اوپر کی ہڈی کے درمیان ہے اور مذبح مری، حلقوم اور دوشہ رگیں ہیں جن میں سے تین رگوں کا کٹنا (بھی) کافی ہے۔

۲۔ والذبح بین الحلق واللبة والعروق التي تقطع فی الذکاة اربعة الحلقوم والمری والودجان فان قطعها حل الاکل۔۔۔ (۵)

مقام ذبح حلق اور سینے کے اوپر کی ہڈی کے درمیان ہے اور خون بہانے کیلئے جو رگیں کاٹی جاتی ہیں، وہ چار ہیں۔ سانس کی نالی، غذا کی نالی اور دو خون کی نالیاں۔ اگر انہیں کاٹ دیا تو (جانور کا گوشت) حلال ہوگا۔

۳۔ ان كان بالذبح فوق العقدہ حصل قطع ثلثة من العروق فالحق ما قاله شراح الهدایہ تبعاً للرسطغنی۔۔۔ الخ (۶)

اگر گھنڈی سے اوپر ذبح میں چار میں سے تین رگیں کٹ گئیں، جو ہدایہ کے شارحین نے رستغنی کی اتباع میں کہا ہے وہ حق ہے۔ مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ یورپ و امریکہ میں جانور کو الیکٹرک شاک Electric Shock کے ذریعے بیہوش کر کے یا پھر کسی اور ذریعے سے سن کر کے ذبح کرنے کا رواج چل پڑا ہے۔ جس کی منطقی توجیہ ان کے خیال میں یہ ہے کہ اس سے جانور کو کم تکلیف ہوتی ہے اور یہ کہ جانور کو زیادہ تکلیف دے کر نہیں مارنا چاہئے۔ جہاں تک اس توجیہ کا تعلق ہے، وہ بجائے خود بہت عمدہ ہے مگر اسے ذبح پر باس طور محمول کرنا ہمارے نزدیک لفظ تذکیہ کی حقیقت کو نہ جاننا ہے۔ اس فن کے ماہرین اچھی طرح جانتے ہیں کہ ذبح کی حقیقت اس کے تذکیہ میں پوشیدہ ہے اور تذکیہ کیلئے جانور کا شدت کی تکلیف محسوس کرنا بہت ضروری ہے۔ جس کا مظاہرہ جانور کی تڑپ میں مضمر ہے۔ تڑپ جتنی زیادہ ہوگی، خون بھی اسی رفتار سے زیادہ مقدار میں خارج ہوگا۔ کیونکہ جانور کے تڑپنے میں اس کی بقائے حیات کا فطری جذبہ موجزن ہوتا ہے وہ خود کو بچانے کی فکر میں اپنے جسم کی ساری توانائی خون کی شکل میں نچوڑ دیتا ہے۔ اس طرح اس کا تذکیہ بہت عمدہ طریق پر ہو جاتا ہے یعنی گوشت، خون کے زہریلے جراثیم سے پاک ہو جاتا ہے۔ پھر ایسے ہی گوشت کو علم و تہذیب کی دنیا میں حلال اور طیب کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ کسی شے کے حلال ہونے کی علت دراصل اس کا طیب ہونا ہی تو ہے مثلاً:

۱۔ یَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبُ۔ (المائدہ/۳)

یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کیلئے کیا حلال کیا گیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تمہاری لئے طیبات (ستھری چیزوں) کو حلال کیا گیا ہے۔

۲۔ اَلْيَوْمَ اُحِلُّ لَكُمْ الطَّيِّبُ۔ (المائدہ/۵)

آج کے دن تم سب کیلئے صاف ستھری، پاکیزہ اور عمدہ چیزوں کو حلال کیا گیا ہے۔

۳۔ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثُ۔ (الاعراف/۱۵۷)

اور نبی ﷺ ان کیلئے پاکیزہ اور عمدہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور گندی، ردی اور ناپاک اشیاء کو حرام۔
حلال اور طیب کا چولی دامن کا ساتھ اس آیت میں بھی ملاحظہ کیجئے۔

۴۔ فَيُطْلَمُ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ۔۔۔ (النساء/۴)

پس ان لوگوں کے ظلم کی وجہ سے، جو یہودی ہوئے، ہم نے ان پر اچھی چیزیں، جو ان کیلئے حلال کی گئی تھیں، حرام کر دیں۔

قرآن کی رو سے واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی چیز کے قابل طعام ہونے کیلئے فقط اس کا 'حلال' ہونا کافی نہیں بلکہ اس کا طیب ہونا بھی ضروری ہے۔ یہی سب ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حلالاً طیباً کے الفاظ اکٹھے لائے گئے ہیں۔ (دیکھئے البقرہ/۱۶۸۔ المائدہ/۸۸۔ الانفال/۶۹۔ النحل/۱۱۴)

ان آیات اور ان جیسی دیگر آیات کی روشنی میں طیبیات کا مفہوم بہت آسان ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طیبیات کے مفہوم سے آشنا لوگ بیمار جانور، سڑے ہوئے پھل اور بدبودار گوشت کبھی نہیں کھا سکتے۔ واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ نے بدبودار گوشت کھانے سے منع کیا ہے:

عن النبی ﷺ قال اذ رمیت بسهمك فغاب عنك فادر كنه فكله ما لم یتنن۔ (مسلم،
رقم الحدیث: ۴۸۷۰)

جب تم شکار پر اپنا تیر مارو اور پھر شکار تم سے اوجھل ہو جائے، پھر تم کو وہ مل جائے تو جب تک بدبودار نہ ہو اس کو کھا لو۔ (ہمارے نزدیک روایت میں تسمیہ و تذکیہ ہر دو کا تصور محذوف ہے۔ جسے عرفاً سمجھا جاسکتا ہے)

چنانچہ شرعی اور عقلی ہر دو اعتبار سے یہ سب چیزیں غیر طیب ہونے کی وجہ سے حرام اور ناقابل طعام ہیں۔ کیونکہ ان کے استعمال سے انسانی صحت خراب اور برباد ہو سکتی ہے اور ہر وہ چیز جو باعث ضرر ہو، وہ حرام ہے۔ فان المضار کلھا حرام بیشک ضرر رساں چیزیں حرام ہوتی ہیں۔

قرآن حکیم میں مبتہ (طبعی موت مرنے والا جانور) کے علاوہ جن جانوروں کو حرام قرار دیا گیا ہے، ان میں:

- ۱۔ المنخنقة (گلا گھٹ کر مر جانے والا جانور)
 ۲۔ الموقوذة (دھار والے آلہ کے بغیر کسی چیز کی ضرب کے باعث لگنے والی اندرونی چوٹ سے مرنے والا جانور۔

- ۳۔ المتردية (بلندی سے گر کر مرا ہوا جانور)
 ۴۔ النطیحة (کسی دوسرے جانور کی سینگ لگنے سے ہلاک ہونے والا جانور)
 ۵۔ وما اكل السبع (اور وہ جانور، جسے کسی شکاری جانور نے پھاڑ کھایا ہو)
 کی اقسام کے جانور ہیں۔ ان اقسام میں مؤخر الذکر قسم کے ساتھ الا ما ذکیتم کے الفاظ آئے ہیں۔ (۷)
 ان جانوروں کی حرمت کا سبب بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تذکیہ (خون کا مکمل اخراج) ناممکن ہوتا ہے۔ انہیں ذبح کرنے سے خون جاری نہیں ہوتا اور اگر برائے نام جاری ہو بھی جائے تو اس سے جانور کا تذکیہ نہیں ہو پاتا۔ غیر طیب (یعنی مضر) ہونے کے سبب وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید کو یہاں ذکیتم کا لفظ لانا پڑا۔ (المائدہ/۳) تاکہ ذبح کی غرض واضح ہو، جو جانور کے جسم سے حرارت غریزی کے تاحید امکان، اخراج پر مشتمل ہے۔ جو مذکورہ بالا جانوروں میں مفقود ہے۔ چنانچہ ایسے جانوروں کا اسلامی و قرآنی ذبیحہ، بننا ذکاۃ کی صفت سے معرا ہونے کی وجہ سے ہی حرام ہوا ہے۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:

”خون مسفوح ناپاک ہے، وہ بدن میں رہے اور جانور مر جائے تو تمام گوشت پوست نجس و حرام ہو جاتا ہے۔ ذبح سے مقصود اس کا جدا کرنا ہے۔ ولہذا حدیث صحیح میں ارشاد ہوا۔ ما انہر الدم و ذکر اسم اللہ علیہ فکلو (بخاری) جس کا خون بہا دیا گیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا تو اسے کھاؤ اور فرمایا۔ انہر الدم بما شئت و اذکر اسم اللہ علیہ (مسلم) خون بہا دے، جس سے تو چاہے اور اللہ کا نام ذکر کر“ (۸)

علامہ غلام رسول سعیدی کے بقول:

شمس الائمہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ نجس اور فاسد خون کے بہانے کو ذکاۃ کہتے ہیں۔ کیونکہ حیوان میں بہنے والا خون حرام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محرمات کے ضمن میں فرمایا اودمًا مسفوحًا (یا بہنے والا خون) پس نبٹ کے ازالہ کرنے اور ظاہر کو نجس سے متمیز کرنے کا نام ذکاۃ ہے۔ (۹)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

”تذکیہ کی حقیقت صرف یہ ہے کہ جانور کی طبعی حرارت کو بدن سے نکال دیا جائے، لیکن شریعت میں (ہر طریقے سے ازالہ حرارت کو تذکیہ نہیں کہا جاتا بلکہ ایک خاص طریقہ سے ابطال حیات کا نام تذکیہ ہے) یعنی بالارادہ اللہ کا نام لیکر حلق و لبہ کو کاٹ کر یا چھید کر ابطال حیات کرنے کا نام شرعاً تذکیہ ہے“ (۱۰)

البتہ خون کے تاحہ امکان یا قابل اطمینان اخراج کی صورت میں ایسا ذبیحہ حلال ہو جائے گا اور ہمارے نزدیک یہی حال قریب قریب ان جانوروں کا بھی ہے۔ جن کے ہوش و حواس ختم کر کے انہیں ذبح کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے جانور اپنے اوپر ہونے والے عمل جراحت سے کوئی تکلیف محسوس نہیں کر پاتے کیونکہ انہیں اپنی بقائے حیات کیلئے ٹانگیں چلانے کی صلاحیت سے (الیکٹرک شاک کے ذریعے) محروم کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ذبح کے وقت ان میں کسی قسم کی مزاحمت نہیں پائی جاتی۔ وہ درد کی شدت سے بلبلاتے ہیں، نہ مہماتے ہیں اور نہ ہی پاؤں مارتے ہیں پھر ظاہر ہے کہ جس مقدار میں ان کے جسم سے خون جاری ہونا چاہئے وہ جاری نہیں ہو پاتا۔ پھر ایسے جانوروں کا گوشت انسانی صحت کیلئے کتنا مفید ہو سکتا ہے؟ یہ آپ بھی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ جس طرح طبعی اور غذائی ماہرین کے سوچنے کا ہے وہیں ہم سب کے سوچنے کا بھی ہے۔

ہمارے خیال میں اس طرح کے جانور کو ظاہری پہلو سے ذبیحہ ہونے کا اعزاز تو حاصل رہے گا۔ مگر اسے عدم تذکیہ کی وجہ سے حلالاً طیباً کہنا محل نظر ہوگا البتہ ذبح کی غرض چونکہ تذکیہ ہے۔ پس اگر بشرط تسمیہ، بہ زبان مسلم و کتابی، کسی سائنسی (مشینی) عمل کے ذریعے ذبح کی صورت میں جانور کا تذکیہ ممکن ہو سکتا ہے تو ایسے جانور کا گوشت، طیب ہونے کے سبب یقیناً جائز ہوگا اور ہمیں روایتی طریقے سے ہٹ کر، کٹے ہوئے جانور پر، از روئے قرآن حکیم کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ کیونکہ ذبح نے اپنی غرض کو پالیا ہے۔ طریقہ ذبح چونکہ منصوص بالقرآن نہیں ہے۔ اس لئے اگر زمانے کے تغیر و تبدل یا پھر زیادہ ترقی یافتہ ہونے کے سبب متذکرہ بالا شرائط کے تحت کسی غیر روایتی طریقہ ذبح کو اختیار کیا جاتا ہے تو وہ عند الشرع والعقل دونوں صورتوں میں قابل قبول ہو سکتا ہے۔ مگر یہ خیال رہے کہ دماغ پر چوٹ یا ضرب مار کر جانور کو تھوڑی سی دیر کیلئے بے حس و حرکت کر کے، ٹھیک اسی وقت ذبح کرنا، قریب قریب موقوف ذیت والی ’کیفیت‘ کو مصنوعی طور پر پیدا کرنا ہے جو گاہے بگاہے باہر مجبوری تو قابل قبول ہو سکتی ہے۔ مگر مستقل بنیادوں پر اختیار کرنا شاید اسلام کے قانون ذبح سے کھیلنے والی بات ہو۔

ہمارے نزدیک گویا جانور کا تذکیہ بایں صورت ممکن کیا؟ یقینی ہو جائے (مثلاً جانور کو ذبح کیا اور ذبح کرتے ہی اسے الٹا لٹکا دیا۔ ٹپتہ خون کی نالیوں سے خون، ڈرین ہو گیا اور اس طرح جانور کا تذکیہ ہو گیا) تب بھی اسے روح قانون کے تحت جائز قرار دینا خاصا مشکل کام ہوگا۔ کیونکہ اسے مصنوعی طور پر موقوفہ بنایا گیا ہے۔

یاد رہے کہ فطری موقوفہ کو الاما ذکیتم کے قانون کی رو سے بر بنائے نص یا اجتہاد حلال تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے مصنوعی موقوفہ کو اس پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ قرآن کا بیان کردہ موقوفہ بالکل فطری اور غیر اختیاری ہے، جبکہ مروجہ موقوفہ مشینیہ، غیر فطری اور خود اختیاری ہے اور کسی کیفیت کے اختیاری ہونے کے فرق سے احکام میں بڑا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ پس موقوفہ اضطراری اور موقوفہ خود اختیاری میں بڑا فرق ہے۔ اس لئے موقوفہ ذیت کی حالت کو قرآنی فریم ورک میں رکھ کر ہی ہمیں کوئی حکم لگانا ہوگا۔ یقیناً اس طرح کے احکام کسی استثنائی حالت کے تابع ہوتے ہیں، جن کا فطری ہونا ضروری ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حالت گاہ بگاہ ہی رونما ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ایسے حالات کو مصنوعی طور پر واضح کرنا اور اسے دوامیت فراہم کرنا، کہاں کی دانش مندی ہے؟ کیا ایسے ذبیحوں کو قانونی سند جواز فراہم کرنا حالت عموم کے قانون کی صریح ہتک اور خلاف ورزی نہیں؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے مشینی ذبیحوں کو جواز کی سند عطا کرنے والے، اگر حالت عموم کے قانون جاریہ کو سمجھیں تو شاید اپنے فتوؤں سے رجوع کر لیں۔ واضح رہے کہ حلال جانور کو ذبح کرنے کی غرض تو اس کا تذکیہ ہی ہے۔ مگر اس کی شرط تسمیہ (تکبیر) ہے، جو بوقت ذبح پڑھنی جاتی ہے۔ یعنی بسم اللہ، اللہ اکبر۔ اگر کسی جانور کو تسمیہ کے بغیر ذبح کیا جائے اور بظاہر اس کا تذکیہ بھی ہو جائے تب بھی وہ حلال نہیں ہوگا۔ ذبیحہ کی حلت میں تسمیہ کا کردار اتنا بنیادی ہے کہ اس کے لئے پروردگار عالم نے بایں الفاظ ارشاد فرمایا ہے کہ: وما اهل لغير الله به۔ یعنی وہ جانور، جس پر اللہ کا نام نہ پکارا جائے وہ حرام ہے (المائدہ/۳) اور یہ ارشاد چار مقامات پر دہرایا گیا ہے۔ نیز سدھائے ہوئے شکاری درندے کے ذریعے شکار کیئے ہوئے جانور پر قابو پانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام کے پڑھنے کا حکم بایں الفاظ بھی آیا ہے:

۱۔ واذكروا اسم الله عليه۔ (المائدہ/۴)

اور اس ذبیحہ پر اللہ کا نام پڑھو۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تسمیہ کے بغیر کوئی ذبیحہ حلال نہیں ہو سکتا نیز فرمایا:

۲۔ وما لكم الا تاكلوا مما ذكر اسم الله عليه۔ (الانعام/۱۱۹)

اور تمہیں کیا ہے کہ تم اس (ذبیحہ) سے نہیں کھاتے، جس پر اللہ کا نام پکارا گیا ہے۔

اور فرمایا:

۳۔ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ۔ (الانعام/ ۱۲۱)
اور تم وہ جانور نہ کھایا کرو، جس پر اللہ کا نام نہ پکارا گیا ہو۔ اور بیشک ایسے جانور کا کھانا فسق ہے۔

خلاصہ بحث

خلاصہ بحث یہ کہ جانور کو اصلاً حلق سے قطع کیا جائے تاکہ خون کا سیلان و جریان ہو سکے۔ اور ذبح کے وقت جانور دماغی چوٹ کے باعث بیہوش یا سن ہونے کی بجائے، نارمل حالت میں ہوتا کہ وہ اپنی توانائی کو پوری قوت کے ساتھ استعمال میں لاتے ہوئے اپنے پاؤں مار سکے۔ جس کے نتیجے میں اس کا تذکیہ ہو جائے، جو ذبح کا مقصود ہے۔ مگر یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب جانور کو اس طریقے سے ذبح کیا جائے، جو فطری اور مقصود شریعت سے ہم آہنگ ہو۔ اسے مصنوعی طور پر موقوفہ بنا کر ذبح کرنا قانون ذبح اسلامی کا مذاق اڑاتا ہے۔

یہاں اس امر کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ ہمارے فقہاء ذبح کے تعلق سے دو اصطلاحیں پیش کرتے ہیں:

۱۔ ذبح اختیاری ۲۔ ذبح اضطراری

ذبح اختیاری سے مراد یہ ہے کہ جانور ذابح کے زیر قدرت (کنٹرول میں) ہو اور وہ اسے حلق سے ذبح کرے۔ جہاں کم از کم تین رگوں کا کٹنا ضروری ٹھہرے۔ جبکہ ذبح اضطراری سے مراد ایسا طریقہ ذبح ہے، جو ذبح اختیاری کے برعکس ہو۔ اس طرح کا ذبیحہ، جانور کے کسی بھی حصہ پر (سوائے حلق کے) وار کرنے یا اس پر شکار چھوڑنے کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے اور ہمارے فقہاء نے اسے ذبح اضطراری کا نام دے کر مستقل بنیادوں پر حلال کر رکھا ہے۔ حالانکہ ذبح اضطراری سے مراد ذابح کی اپنی ذاتی حالت ہو تو یقیناً ایسا ذبیحہ حلال ہوگا۔ کیونکہ حالت اضطرار میں حرام شے بھی حلال ہو جاتی ہے۔ پس ذبح اضطراری کو کسی غیر مضطر کیلئے حلال قرار دینا از روئے قرآن غلط ٹھہرتا ہے۔ اس لیے میں ذبح اضطراری کو جانور کی حالت کی بجائے شکاری یعنی ذابح کی حالت پر منطبق کرتا ہوں۔

حوالہ جات و حواشی

- (۱) المفردات فی غریب القرآن، کتاب الذال، ص ۷۷، الناشر: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی
- (۲) ذکاء کے معنی حرارت کے ہیں اور جب یہ لفظ باب تفعیل سے ڈکھی بنے گا تو اس میں سلب ماخذ کی خصوصیت پیدا ہو جائیگی اور معنی ہوگا۔ حرارت نکال لی یعنی سلب کر لی۔ اسی کو سلب ماخذ کہتے ہیں۔
- (۳) اصفہانی، محمد راغب، المفردات فی غریب القرآن، کتاب الذال، ص ۱۸۰۔
- (۴) عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی (م ۷۰۱ھ) کنز الدقائق، کتاب الذبائح، ص ۳۱۷، المکتبۃ العربیہ، دہلی کالونی، کراچی۔
- (۵) ابوالحسن بن احمد محمد بن جعفر البغدادی المعروف بالقندوری (م ۴۲۸ھ) مختصر القندوری، کتاب الصيد والذبائح، ص ۲۱۹، مکتبۃ خیر کثیر، آرام باغ، کراچی
- (۶) محمد امین ابن عابدین الشافعی، رد المحتار، کتاب الذبائح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، جلد ۵ ص ۱۸۷۔
- (۷) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک الا ما ذکبتم میں استثناء صرف درندہ کے کھائے ہوئے جانور سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ چند معطوفات کے بعد اگر استثناء آئے تو اس کا تعلق آخری معطوف سے ہوتا ہے نہ کہ سارے معطوفات سے۔ تاہم یہاں باقی معطوفات کا استثنائی ازروئے قیاس اخذ کرنا درست معلوم ہوتا ہے۔ (بحوالہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، تفسیر مظہری (اردو)، جلد ۳، ص ۳۵۸، اردو ترجمہ: مولانا عبدالدائم جلالی، سعید ایچ ایم کمپنی، ادب منزل، پاکستان، چوک، کراچی ۱۹۸۰ء)
- (۸) مولانا احمد رضا خان بریلوی (م ۱۹۲۱ء) فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۰ ص ۳۳۵، کتاب الذبائح، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۲۰۰۰ء
- (۹) مولانا غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، جلد ۶، کتاب الصيد والذبائح ص ۳۶، فرید بک اسٹال، ۴۰۔ اردو بازار، لاہور، الطبع الرابع ۱۹۹۶ء
- (۱۰) تفسیر مظہری، جلد ۳، ص ۳۵۷، اردو ترجمہ: مولانا عبدالدائم الجلالی، سعید ایچ ایم کمپنی، ادب منزل، پاکستان، چوک، کراچی ۱۹۸۰ء